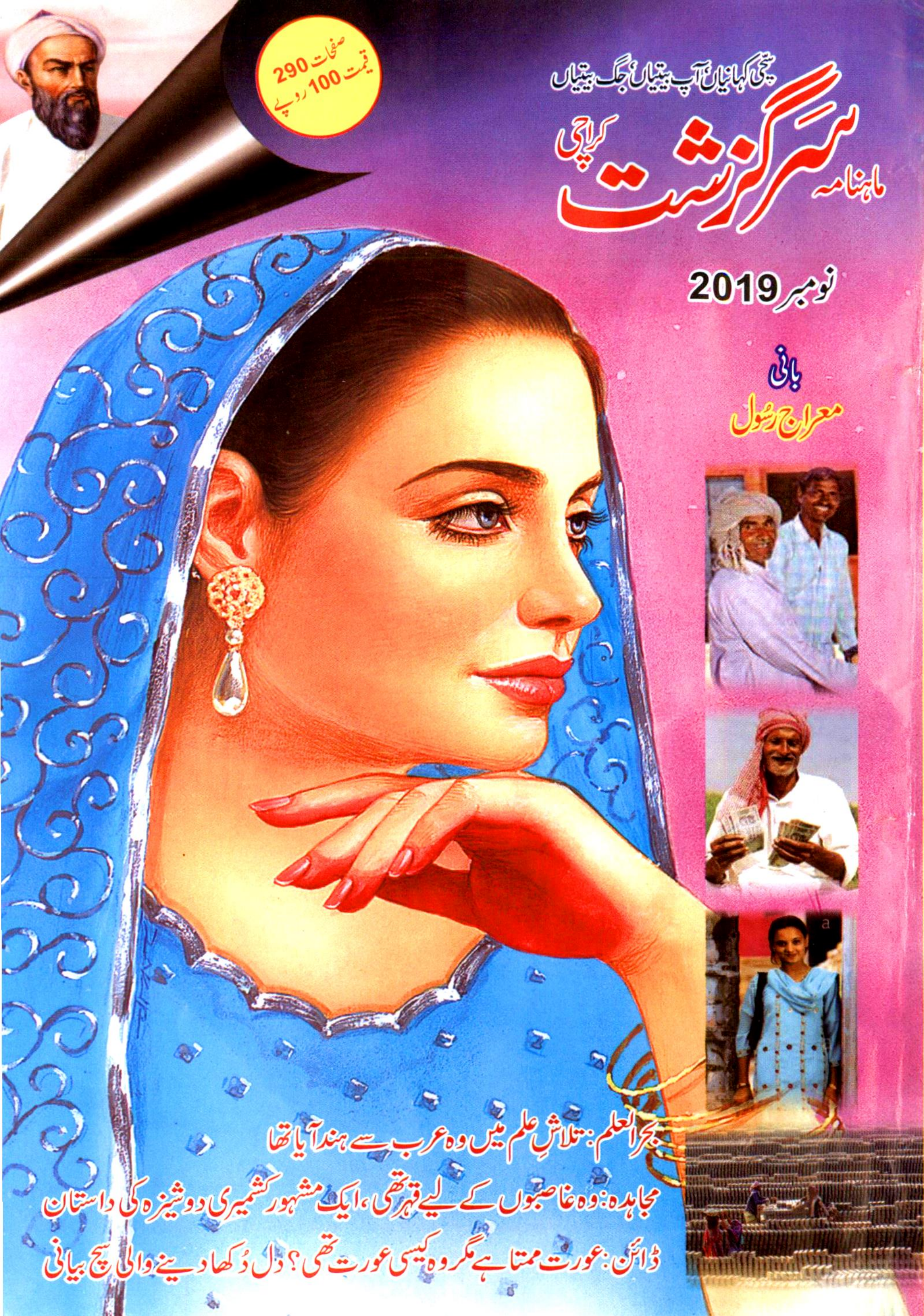
صفحات 290
قیمت 100 روپے
سچی کہانیاں آپ بیتیاں، جگ بیتیاں
ماہنامہ
سرگزشت
کراچی
نومبر 2019
بانی
معراج رسول
بحر العلم: تلاشِ علم میں وہ عرب سے ہند آیا تھا
مجاہدہ: وہ غاصبوں کے لیے قہر تھی، ایک مشہور کشمیری دوشیزہ کی داستان
ڈائن: عورت ممتا ہے مگر وہ کیسی عورت تھی؟ دل دُکھا دینے والی سچ بیانی

سرگزشت — 06 — **ساحر قلم** — ادارہ
ایک صفحہ میں مکمل، مختصر مختصر
ایک نادرروزگار کا تعارف

گفت و شنید — 07 — **شہر خیال** — مدیر و قارئین
آپ کی باتیں، آپ کے خیال، آپ
کے مشورے اور آپ کے سوال

شخصیت — 16 — **بحرالعلم** — زویا اعجاز
معروف مسلمان
سائنسداں کا زندگی نامہ

خراج تحسین — 47 — **مجاہدہ** — زرین قمر
کشمیر کی پہلی شہید
خاتون کا تذکرہ

تحریر خاص — 65 — **نوائے اقبال** — ابصار احمد
علامہ اقبال کے لکھے
ملی نغمے پر سرسری نظر

روداد — 75 — **خبطی** — شکیل صدیقی
ایک نیم پاگل ارب پتی
کی داستانِ حیات

فلم نگری — 87 — **افضل و اعلیٰ** — انور فرہاد
پاکستان کی فلمی صنعت
کو تعمیر کرنے والے کا تذکرہ

تصویر عالم — 115 — **شاعر** — اقبال خورشید
انقلاب کے لیے
وہ راہ ہموار کرتا تھا

رنگِ عالم — 127 — **اوباما کی ماں** — زین مہدی
سابق امریکی صدر کے
خاندان کا مختصر تذکرہ

سفر کہانی — 135 — **سفر پہلا پہلا** — ندیم اقبال
الفاظ کی جادو بیانی کا شاہکار
ایک الگ انداز کی سفر کہانی

معلومات — 156 — **زندہ سیارہ** — سید احتشام
کائنات کے وہ
راز جو سربستہ ہیں

ماہ نامہ سرگزشت میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے جملہ حقوقِ طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں، کسی بھی فرد یا ادارے کے لئے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔
● تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

معاشرت
166
ناسور
ڈاکٹر عبدالرب بھٹی
ایک معصوم نوجوان کی خون رنگ، لہو گرما دینے والی داستان

پہلی سچ بیانی
194
ڈائن
سید ذیشان کاظمی
معاشرے میں کیسی کیسی سازشی عورتیں ہوتی ہیں

دوسری سچ بیانی
205
سزا
راحت وفا راجپوت
اسے قسمت نے بھرپور سزا دے دی

تیسری سچ بیانی
209
پچھتاوا
ساگر تلوکر
نادانی کے فیصلوں کا یہی انجام ہوتا ہے

چوتھی سچ بیانی
215
مظلوم
خلیل جبار
جسے ظالم سمجھا گیا، وہی مظلوم تھی

پانچویں سچ بیانی
225
مکافات
یاسین صدیق
ہم جو کرتے ہیں اسی کا پھل ملتا ہے

چھٹی سچ بیانی
248
بے آواز لاٹھی
محمد احمد رضا انصاری
دوسروں کے لیے گڑھا کھودنے والوں کا انجام

ساتویں سچ بیانی
253
اندھا اعتبار
عاطر شاہین
کیسے کیسے لوگ اعتبار کو دھوکا دیتے ہیں

آٹھویں سچ بیانی
257
میری جان
محمد سلیم اختر
بیوی کو پیر کی جوتی سمجھنے والوں کے لیے سبق

نویں سچ بیانی
261
تقدیر کا لکھا
گلزار حسین
اور پھر شکاری خود ہی شکار ہو گئے

دسویں سچ بیانی
271
کالی زبان
کاوش صدیقی
اس نے قربانی کی مثال قائم کی

قرآن حکیم کی مقدس آیات و احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا جن صفحات پر آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

بیرون ممالک مقیم اُردو صارفین ہر ماہ اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ بذریعہ ای میل پی ڈی ایف فارمیٹ میں حاصل کریں

تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں۔

urdusoftbooks@gmail.com urdusoftbooks.com

یہ سروس بذریعہ پے پال مناسب قیمت پر دستیاب ہوگی

بذریعہ ای میل رابطہ کرنے کے لیے یہاں کلک کریں

ساحر قلم

سرگزشت

لکھنو جو عالم میں انتخاب کہلاتا تھا، جہاں ہر طرف علم و ادب کا چرچا تھا۔ اسی شہر میں افواجِ سلطنت اودھ کے ایک کماندار مرزا محمد تقی کے گھر 1858 میں ایک بچے نے جنم لیا، یہ گھرانا ایران سے ہجرت کرکے ہند آیا تھا۔ اس دور میں بچے کی ولادت پر خوب خوشیاں منائی جاتی تھیں مگر حالات اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے اس لیے کہ ابھی ابھی لکھنو اجڑا تھا، لوٹ مار تباہی بربادی تو نہیں ہوئی تھی مگر اس شہر کا سہاگ اجڑ گیا تھا۔ نواب اودھ نواب واجد علی شاہ سے تخت سلطنت چھین کر ملک بدر کردیا گیا تھا۔ حکومتِ انگلستان کے حکم سے 11 فروری 1856 کو انہیں لکھنو سے گرفتار کرکے کلکتہ پہنچا دیا گیا تھا، وہ کلکتہ کے مٹیا برج نامی قلعہ میں محبوس تھے۔ اس سانحے پر لکھنو کے در و دیوار نوحہ کناں تھے۔ ابھی لوگ اس سانحہ کو بھول بھی نہ پائے تھے کہ اس شہر پر ایک اور افتاد ٹوٹ پڑی۔ دہلی میں جنگ آزادی کا بگل بجا تو یہاں نواب کی بیگم حضرت محل نے جلد بازی میں ایک چھوٹی سی فوج بنائی، اس فوج میں ایک اہم دستہ بھی تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس دستے کا نام ''ویرانگانا'' تھا اور اس دستے میں صرف عورتیں تھیں اور دستے کی سپاہ سالار ''اُڑا دیوی'' تھی۔ انگریز فوج کی چھاؤنی بیلی گارد پر پہلا حملہ اسی دستے نے کیا تھا۔ بیلی گارد میں پھنسے انگریز سپاہیوں کو بچانے کے لیے کان پور سے انگریز فوجیوں کی پوری کمپنی آگئی اور لکھنو کا ہر طرف سے محاصرہ... ہوا تو اُڑا دیوی جس کے ذمے بیگم حضرت محل کی حفاظت تھی، وہ بیگم حضرت محل کو نہایت خاموشی سے فرار کرا کر نیپال لے گئی جہاں 1858 میں حضرت محل کا انتقال ہوا۔

ایسے پُرآشوب وقت میں جب ہر کوئی سہما ہوا تھا اس بچے نے جنم لیا تھا، پھر بھی اس کی پرورش نہایت عمدہ طریقے سے ہونے لگی، اسے گھر میں ہی تعلیم دی گئی، پھر اس نے خود ہی تیاری کی اور منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ابھی وہ سولہ سال کا تھا کہ اس کے سر سے باپ کا سایہ چھن گیا۔ ایسے وقت میں اس کے چچا نے سہارا دیا۔ اس کے بڑے بھائی مرزا محمد زکی بھی ادب میں دخل رکھتے تھے لیکن ان کا انتقال کم عمری میں ہوگیا تھا۔ منشی فاضل کی سند حاصل کرنے کے بعد اس نے حیدر بخش سے دوستی کرلی۔ حیدر بخش اس وقت کے مشہور خطاط تھے۔ انہوں نے اسے بھی خطاطی سکھائی۔ خطاطی پر عبور حاصل کرنے کے بعد وہ اسے پیشے کے طور پر اختیار کرنا چاہتا تھا کہ اس سے ایک بڑی غلطی ہوگئی۔ اس نے ایک جعلی اسٹامپ پیپر بنایا مگر پکڑا گیا اور اسے جیل ہوگئی۔ رہائی کے بعد اس نے رڑکی سے میٹرک کا امتحان دیا اور محکمہ ریل میں ملازم ہوگیا۔ بلوچستان میں ریلوے لائن بچھائی جارہی تھی وہ بلوچستان آگیا لیکن ایک سال بعد وہ پھر لکھنو لوٹ آگیا۔ اس وقت کے ایک بڑے شاعر مرزا دبیر بھی اس کی مدد کیا کرتے تھے تاکہ وہ لکھنے لکھانے کا کام کرسکے۔

کیونکہ وہ نثر لکھنے میں اپنا نام پیدا کررہا تھا اور مرزا دبیر اسے بڑھاوا دے رہے تھے۔ مرزا دبیر کی سفارش پر اسے ایک مقامی اسکول میں نوکری مل گئی۔ لکھنو کے ادبی حلقے میں اس کی پہچان بن گئی تھی۔ اس کی تحریریں پسند کی جارہی تھیں، اس کی قابلیت دیکھ کر مقامی کالج نے آفر دی اور وہ کرسچن کالج میں بطور لیکچرار نامزد ہوگیا لیکن وہاں بھی زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکا اور حیدرآباد دکن چلا گیا وہاں عثمانیہ یونیورسٹی میں بطور مترجم کام کرنے لگا۔ وہیں 21 اکتوبر 1931ء کو ٹائیفائیڈ میں انتقال ہوا۔ اس نے 1887 میں قصہ لیلیٰ مجنوں کو شاعری کے قالب میں ڈھالا، یہی اس کی پہلی کاوش مانی جارہی ہے مگر ناقدین نے اس کے کام کو یہ کہہ کر رد کردیا تھا کہ یہ فحش گوئی ہے۔ 1902ء میں اس کی ایک اور کاوش ''افشائے راز'' طبع ہوئی۔ اس کی اس مثنوی کو ناقدین اسی کی سوانح قرار دیتے ہیں۔ اس مثنوی میں ایک فرانسیسی خاتون ''ملی آگسٹن'' نے اصرار کرکے اسے اپنا مینیجر بنایا، اسے ساتھ لے کر بمبئی آئی۔ وہ لوگ جس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے، ایک صبح اسے ہوٹل کے کمرے سے ملی کا رقعہ ملا کہ وہ فرانس جارہی ہے تاکہ جائیداد سے اپنا حصہ وصول کرے لیکن وہ لوٹ کر نہیں آئی۔ اس کی تصنیفات میں فطرۃ الاسلام، ہدیہ سنیہ در علم کلام 26 جلد، جوزف آف لاجک (ترجمہ) افلاطون کی حکومت جمہوریہ، کتاب الاخلاق ارسطو، زیچ مرزائی در ہیئت، ابطال الرفارم رسالہ در توحید و اثبات واجب الوجود، رسالہ در منطق استقرائی، رسالہ در اصول مناظرہ، رسالہ در علم النفس، مصطلات کیمیا، رسالہ در اعمال اصطرلاب، رسالہ طلسمات، امراؤ جان ادا، ذات شریف، شریف زادہ، مرقع لیلیٰ مجنوں منظوم ڈراما، افشائے راز، بہرام کی رہائی، خونی بھید، خونی جورو، مثنوی لذت فنا، مثنوی بہار ہند، مثنوی امید و بیم، کلیات اردو شامل ہیں۔ اپنے وقت میں وہ ساحر قلم کہلاتا تھا، اس ساحر قلم کو ہم مرزا ہادی رسوا کے نام سے پہچانتے ہیں۔

☆☆☆

شہرِ خیال

مدیرِ اعلیٰ

☆ اعجاز حسین سٹھار نے نور پور تھل سے لکھا ہے۔ ’’اس ماہ تو کمال ہو گیا، روانگی کے چوتھے دن کی صبح پرچا ہماری دہلیز پر تھا سارا کریڈٹ مقامی ڈاکخانہ کو جاتا ہے۔ ہم خطوط کی سنچری پر ستانہیں رہے۔ خط آگے پیچھے ہو جاتا ہے بلکہ میں حیران ہوں کہ 220 ماہ میں صرف 104 خطوط شائع ہوئے باقی کہاں گئے یا اعداد و شمار میں الٹ پلٹ ہو گئی۔ الٹا شرمندگی ہو رہی ہے۔ میں بھی دوسروں کی طرح ’’سفر پہلا پہلا‘‘ کے سحر میں گرفتار ہو چکا تھا لیکن موجودہ قسط پھیکی رہی۔ وہ رومانیت بھرے جذبے، فقرے اور آنکھوں کی آنکھ مچولی دیکھنے میں نہیں آئی۔ پہاڑ، ڈھلوان، بندروں کی دھما چوکڑی اور ڈاک بنگلا کی بوسیدہ عمارت نے دل میں کیا گدگدی کرنی تھی۔ اُمید ہے نئی قسط پرانے انداز میں لوٹ آئے گی۔ البتہ بلوٹ شریف کے ذکر نے ذہنی آسودگی بخشی، میں یہاں مارچ میں سالانہ روحانی اجتماع پر دو بار گیا ہوں۔ ’’باوقار نغمہ نگار‘‘ پڑھ کر حیران ہو گیا ہوں۔ کیسے انمول ہیرے جنھوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ جب ہمارے درمیان نہ رہے تو ان کی کمی محسوس کی، تعزیت بھرے کالم لکھے، بیان دیے اور ان کی خدمت اور تعریفوں کے پل باندھ دیے، سمجھ سے باہر ہے کہ کیوں ہم انہیں زندگی میں پذیرائی نہیں دیتے۔ تنویر نقوی اور حمایت علی شاعر نے سچویشن کے عین مطابق کس کمال کی شاعری کی، ان کا مقبول کلام پڑھ کر صفات کا اندازہ ہوا۔ فلم انڈسٹری کو کتنے شاہکار گیت دیے اس کے علاوہ کردار، شخصیت، دنیاداری اور اخلاق میں بے مثال تھے۔ وہ روشن نگری میں حسیناؤں کے جھرمٹ میں رہے لیکن بھرم اور عزت قائم رہی۔ ایسے درویش صفت دنیادار کو سلام پیش کیجیے، اب بھی ہمارے پاس تحفہ ہے۔ ’’عقیدت‘‘ پہلی سچ بیانی ہے لیکن حواس پر چھا گئی ہے اور عقیدت، عبادت اور محنت کے معیار پر پورا اتر کر زندگی بھر کا مثبت سبق دیا ہے۔ اجمل کو ہم آج ایک کامیاب انسان کے روپ میں دیکھ رہے ہیں لیکن منزل پر پہنچنے کی لگن، عزم اور منزل کی طرف بڑھتے قدموں کے تسلسل کو نظر میں رکھنا ہو گا۔ اس نے ہنسنے، کھیلنے کے دن مشقت میں جھونک دیے تو آج معاشرے میں عزت و مرتبے میں پورے قد سے کھڑا ہے۔ یہاں کنیز زہرا بھی ڈھیروں ڈھیر ملبے سے موتی تلاشنے پر مبارک باد کی مستحق ہیں۔ اجمل کے احساس دلانے سے جس منزل کی طرف چودھری صاحب نے قدم بڑھائے ہیں تو دوسرے بھی تحریک پکڑیں تاکہ سسکتی انسانیت سکون کا سانس لے سکے۔ ’’نیا جال‘‘ واقعی سمجھ میں نہ آنے والا کاروبار ہے اور کس چالاکی اور دیدہ دلیری سے چلایا جا رہا ہے۔ یہاں لڑکیوں کی گھریلو مجبوریاں بھی ایک وجہ ہیں۔ نادر شیطان کی اولاد ہے کیسا مکروہ دھندا ہے، بھلا آمدنی میں کیا برکت ہوگی اور جب ضمیر جاگتا ہو گا تو اگ نوچتا ہو گا۔ ایک دوسری بات سوچنے کی ہے کہ کسی دوسرے شکاری کے جال میں اس کی بہن، بیٹی پھنس گئی تو حالات جاننے کے بعد اس کا وجود جہاں بارود کی زد پر ہو گا وہاں اس کے کرتوت سے واقف آنکھیں کتنا لطف لیں گی۔ ’’خط‘‘ غیر دلچسپ اور توجہ نہ کھینچ سکا۔ ’’آزاد فضا‘‘ میں یاسمین نے اپنے خاندان کی تین نسل تک کے افراد کی عادات، مزاج، مصروفیات اور مشغلہ تک پر کھل کر لکھا بلکہ ساتھ اپنے تاثرات بیان کیے لیکن اپنی ذات کو ان رشتوں کے پس پردہ رکھا، جیسے دوسروں کے شب و روز کھوجتی رہی، اپنے معمولات پر توجہ نہ دی ایسی بے پرواہ نکلی کہ دو چار محفلوں کے شناسا سے عمر بھر کے لیے خود کو نتھی کر لیا، اس کا کھرا، کھوج تلاش کیا نہ خاندان اور مزاج کی سن گن لی، جیسے پھیری والے سے روزمرہ کی چیز خریدی ہو۔ وہ خود بھی غیر سنجیدہ تھی کہ طلاق کا داغ پیشانی پر سجا کر غم اور پچھتاوے کا اظہار نہ کیا بلکہ معمول کی کارروائی جانی، بھلا کتنے ارمان اور کنوارپن اس کھیل میں قربان ہو گیا۔ بس آزاد فضا میں سانس لینے کا مان سکھی کر گیا ہے، ایک لڑکی کے لیے ایسی عامیانہ سوچ کسی نئے گڑھے میں دھکیلنے کا بہانہ ہو سکتی ہے۔‘‘

بحرالعلم

زویا اعجاز

وہ علم کا سمندر تھا، بادشاہان اس سے ملنا شان سمجھتے تھے مگر وہ خود کو جاہل کہا کرتا تھا کیونکہ اس کی علمی پیاس بجھتی نہ تھی۔ اس کی ایجادات و تحقیق نے اسے ہر جانب مشہور کرا رکھا تھا پھر بھی وہ مزید سے مزید کی تلاش میں سرگرداں ہمہ وقت تحقیق میں لگا رہتا۔ حصولِ علم کی خاطر وہ خطہ عرب سے پا پیادہ ہند آیا۔ ماں کے اہل علم سے مباحثے کیے، اس کی قابلیت نے ہند کے غیر مسلموں کو بھی اس کا معتقد بنا دیا۔

ایک معروف مسلمان سائنس داں کا زندگی نامہ

وہ دریائے جیحون کے مشرقی کنارے سے کچھ فاصلے پر ایک مضافاتی بستی 'بیرون' کا علاقہ تھا جہاں مصروفیات زندگی عروج پر تھیں۔ گلی، محلوں اور بازاروں میں خوب چہل پہل تھی۔ نفیس و باوقار لباس میں ملبوس ایک عورت محتاط انداز سے اردگرد مناظر کو دیکھتی ہوئی ایک سادہ سے مکان میں داخل ہوئی اور اندرونی جانب خوابگاہ کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے چہرے پر خوشی و رنج کی متضاد کیفیات رقم تھیں۔ اس کا بااعتماد انداز اور اطمینان بتاتا تھا کہ وہ مکان کے جغرافیہ اور مکینوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ خوابگاہ میں اس کی ہم عمر ایک اور خاتون موجود تھی۔ اس نے مقامی طرز کا ہلکا سرمئی لباس پہن رکھا تھا۔ سر، کندھے اور بالائی جسم نہایت نفیس انداز میں زرد رنگ کے مخصوص کپڑے سے ڈھکے تھے۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر اس وقت زردی کھنڈی نظر آرہی تھی۔ خوبصورت کشادہ آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی تھیں۔

"السلام علیکم یا اختی! کیسے احوال ہیں؟" نووارد خاتون نے گرمجوشی سے اسے مخاطب کیا۔

"وعلیکم السلام! پروردگار کی بہت کرم فرمائی ہے۔" اس نے بھی تپاک سے جواب دیا۔

"بیٹے کی پیدائش بہت مبارک ہو۔ میں نے جیسے ہی یہ خبر سنی فوراً تم سے ملنے چلی آئی ہوں۔"

"بہت شکریہ عزیزہ!" خاتون خانہ مسکرائی اور اپنا زرد لبادہ ایک جانب ہٹا کر بیٹے کی پیشانی پر بوسہ ثبت کردیا۔

نووارد بچے کی گندمی رنگت، کشادہ پیشانی اور روشن آنکھیں دیکھ کر بے ساختہ کہہ اٹھی۔ "ماشاءاللہ! پروردگار نظر بد سے محفوظ رکھے۔ بہت پیارا بچہ ہے۔ کوئی نام سوچا ہے کہ نہیں؟"

"سوچنا کیسا؟ میں نے تو ہمیشہ ایک ہی دعا کی تھی کہ اگر میری جھولی میں بیٹے کی نعمت آئی تو میں اس کا نام 'محمد' رکھوں گی۔ اس کے والد کی بھی یہی خواہش تھی کہ ہم اپنے بیٹے کا نام 'محمد' رکھیں...... محمد بن احمد۔ پروردگار کی مہربانی ہے کہ آج اس خواہش کی تکمیل ہوئی۔"

"اس سے خوبصورت نام بھلا اور کیا ہوسکتا ہے؟ تمہارے شوہر کی ناگہانی موت میں جانے اللہ پاک کی کیا حکمت تھی؟ اب زندگی گزارنے کا ایک مضبوط سہارا میسر آگیا ہے۔" مہمان خاتون کی بات پر اس کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

"ہاں! میری زندگی اب صرف محمد کے لیے ہی وقف رہے گی۔ آج سے میں اپنی ہر شناخت ختم کرکے صرف 'اُمِ محمد' ہوں۔"

"پروردگار اسے طویل عمر، تندرستی اور ہمت عطا فرمائے۔ بس کچھ ہی سالوں کی بات ہے پھر یہ معاشی طور پر تمہارے لیے مضبوط سہارا بن جائے گا۔"

"نہیں! میرا ارادہ کچھ اور ہے۔" ام محمد نے پختہ لہجے

مجاہدہ

زرین قمر

کشمیر، جنت نظیر وادی نوّے فیصد مسلمانوں پر مشتمل آبادی یك قلم موقوف انڈیا کی جھولی میں ڈال دی گئی۔ اس ظلم عظیم پر احتجاج کرنے کے لیے عوام سڑکوں پر آگئے۔ ایك حصہ آزاد بھی کرا لیا لیکن محکوم رہ گئے حصے میں بہت سارے پُرجوش جوان اس خطے کو آزاد کرانے کی کوشش میں کوشاں رہے جنہیں ہم بھولتے جارہے ہیں۔ یہ مجاہدہ بھی ان میں سے ایك ہے جس نے بہادری کی مثال قائم کی۔

کشمیر کی ایک صف شکن مجاہدہ کا زندگی نامہ

مسجد محمدی کے صحن میں موجود تالاب میں پاؤں لٹکائے انوری بیگم مچھلیوں سے کھیل رہی تھی۔ اس کی عمر بمشکل دس سال تھی۔ اسے اپنے دوستوں کا انتظار تھا جن کے ساتھ اسے آج میلہ دیکھنے جانا تھا جو قریب ہی لگا ہوا تھا۔ یہ میلہ ہر سال لگتا تھا جس میں طرح طرح کے کھیل تماشے اور تفریح کے اسباب ہوتے، گاؤں کے لوگوں کے ہاتھوں سے بنی چیزیں فروخت کے لیے رکھی جاتیں، جھولے لگتے اور انواع واقسام کے پکوان بھی کھانے کے

نوائے اقبال

ابصار احمد

ماضی بعید میں بھی "رجز" پڑھنا، قومی حمیت کو جگانے کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ برصغیر میں آریائی تہذیب آئی تو ان کے ادب میں حمیت کو بیدار کرنے والے گیت نظر آئے، قدیم چینی و یونانی ادب میں بھی ایسے نغمے ملتے ہیں جو لہو کی گردش تیز کرنے، وطن دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہونے کی ترغیب دینے کے لیے گائے جاتے تھے۔ قدیم عربی و فارسی میں بھی ایسے نغمے ملتے ہیں لیکن اردو میں بہت بعد میں اس صنف کی جانب توجہ دی گئی۔ علامہ اقبال نے بھی ملت کے جذبے کو سوا کرنے کے لیے نغمے لکھے۔ انہی میں سے چند نظموں کا ذکر جو بطور قومی نغمے مشہور ہوئے۔

باذوق قارئین کی مدارات، اس ماہ کا تحفہ خاص

جولائی 1948ء میں قیام پاکستان کی پہلی سالگرہ کا اہتمام زور وشور سے جاری تھا...... ہر فرد جذباتی ہوا جاتا تھا کہ کل تک جس منزل کے وہ خواب دیکھتا تھا آج اسی منزل پہنچ کر پہلی سالگرہ منانے جا رہا ہے۔ حالات بہت دگرگوں تھے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح بھی زیارت میں علالت کی زندگی گذار رہے تھے۔ دوسری جانب مسئلۂ کشمیر بھی جاری تھا جہاں پاک فوج کشمیر کے مختلف مقامات پر پیش قدمی کر رہی تھی۔ سرکاری دفاتر میں اسٹیشنری کا سامان تک نہ تھا لیکن اس کے باوجود ہر شخص تعمیر وطن کی لگن سے سرشار ماہ اگست کی آمد کا منتظر تھا۔ اسی قومی جوش مسرت/

خبطی

شکیل صدیقی

اس کے پاس دولت کا انبار تھا، جس کام میں ہاتھ ڈالتا کامیابی قدم چومتی، اتنی دولت کے بعد بھی ہوس کم نہ ہوئی۔ نئی نئی راہیں ڈھونڈتا رہا۔ لوگ اسے خبطی کہتے کیونکہ اسے عجیب عجیب خبط تھے۔ ایسے خبط کہ سن کر ہنسی آجائے۔

ایک معروف ارب پتی کا تذکرہ

ہاورڈ ہیوز ایک ہمہ جہت شخص تھا۔ کاروباری طور پر وہ مقناطیسی شخصیت کا مالک تھا، ایسا پائلٹ جس نے بہت سے ریکارڈ قائم کیے تھے، فلم ساز، ہدایت کار، انسان دوست اور نہایت فیاض۔ اس کا شمار دنیا کے چند مالدار ترین افراد میں ہوتا ہے۔ جب دنیا کی ساری آسائشات اور سہولیات حاصل ہو جائیں تو انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کرے، لہٰذا اس کا ذہنی توازن بگڑنے لگتا ہے اور وہ پاگل پنے کی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ یہی کچھ اس کے ساتھ بھی ہوا۔ اس کے لیے کسی کو

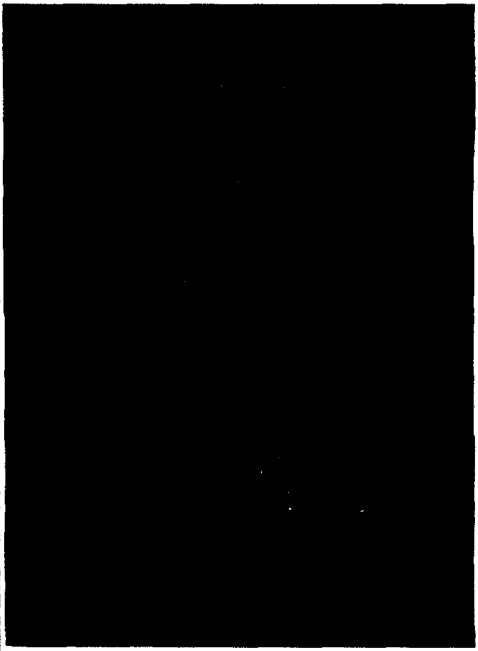

فلم نگری

افضل و اعلیٰ

انور فرہاد

پاکستان کی فلمی دنیا نہایت کم وقت میں نہایت کم وسائل سے اوج پر پہنچی۔ اسے اوج پر پہچانے کا سہرا ان ہنرمندوں کے سر جاتا ہے جنہوں نے انتھک محنت کی، ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ انہی قابل تقلید شخصیات میں سے دو گہر آبدار کا تذکرہ۔

فلم و فن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے تحفہ خاص

ایک فلم متعدد افراد کی کوششوں اور محنتوں سے بنتی ہے فلم کی بنیادی ضرورت ایک کہانی، اس کی ہدایت کاری و اداکاری اور فلم کی عکاسی ہوتی ہے۔ مصنف ایک کہانی سوچتا ہے اور اسے لکھ دیتا ہے۔ ہدایت کار اپنی سوچ، فکر، وژن اور فنی صلاحیتوں سے، کاغذ پر لکھی کہانی کو متحرک شکل دینے کے لیے کہانی کے کرداروں کو آرٹسٹوں سے ادا کرواتا ہے۔ اداکار اور اداکارائیں کہانی کے مطابق پرفارم کر کے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں جب کہ عکاس، ہدایت کار کی

شاعر

اقبال خورشید

انسانی عظمت کا راز کیا ہے۔ اس سوال نے ہر عہد میں انسانوں کو سرگرداں رکھا ہے۔ اس کا جواب عظیم انسانوں کی حالاتِ زندگی ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے وہ گلوکارہ بھی عظیم انسانوں کی فہرست میں ہے کیونکہ اس نے دبے، کچلے انسانوں کے لیے آواز بلند کی۔ اس کی بلند آواز نے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کیا کہ رنگ و نسل کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ سمجھا جائے۔

ایک گلوکار کی زندگی کا عکس جو شاعر بھی ہے

واشنگٹن پر اترنے والی وہ صبح حیرتیں لے کر آئی تھی۔

ٹام زوکر طلوع آفتاب کے وقت پارک میں پہنچا، تو پرندوں کی تعداد دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ وہ ایک ابھرتا ہوا صحافی تھا، جو چند سال قبل لاس اینجلس سے واشنگٹن آن کر آباد ہو گیا تھا۔ علی الصبح بیدار ہونے کی عادت کے پیچھے دیہی تربیت تھی۔ اس کے چھوٹے سے اپارٹمنٹ کی کھڑکی دریا کی سمت کھلتی تھی، اور وہیں درختوں میں گھرا ہوا ایک پارک تھا جہاں وہ جاگنگ کے لیے روز ہی آیا کرتا مگر آج کا دن کچھ مختلف تھا۔

اوباما کی ماں

زین مہدی

امریکا کے سابق صدر حسین بارک اوباما کی ماں اور باپ کی زندگی کے وہ گوشے جن سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ ننھا حسین بارک اوباما کن مسائل کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کے چند خفیہ گوشے۔

اگر وہ پاکستان میں ہوتا تو لوگ اسے طعنے دے دے کر مجبور کر چکے ہوتے کہ وہ خودکشی پر غور کرنے لگتا۔ زندگی عذاب بن چکی ہوتی، راہ چلنا دشوار ہوگیا ہوتا، لیکن وہ امریکا میں تھا جہاں کوئی اسے یہ طعنے نہیں دے سکتا تھا کہ اس کے باپ نے کئی کئی شادیاں رچا رکھی ہیں یا اس کی ماں کئی شوہر بدل چکی ہے۔ اسے کوئی اس بات کا طعنہ بھی نہیں دے سکتا تھا کہ جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تب اس کی ماں نے اسے باپ کا نام دینے کے لیے شادی کی تھی۔ وہ ناجائز

زندہ سیارہ

سید احتشام

کائنات میں ایسے سینکڑوں سیّارے دریافت ہو چکے ہیں جو خود میں اسرار ہیں۔ ان اسرار سے پردہ اٹھانا ضروری ہے۔ اس کوشش میں سائنسداں تجربے پر تجربے کررہے ہیں لیکن تشنگی ہنوز برقرار ہے۔

ایک اسرار بھرے سیارے کا ذکر

کرۂ ارض پر حیات میں سب سے زیادہ تنوع جنوب شرقی ایشیا کے اس گرم سیر جنگلات میں نظر آتا ہے۔ یہاں پودوں اور جانوروں کی اتنی اقسام ہیں جو تاریخ میں پہلے کسی بھی دور میں نہیں پائی گئیں۔ کرۂ ارض پر یہ تمام

حیات، زمین کے وجود میں آنے سے اربوں سال کے دوران پروان چڑھی ہیں لیکن حالیہ دریافتوں نے ماہرین ارضیات اور ماہرین حیاتیات دونوں کو یہ باور کرانے پر مجبور کردیا ہے کہ کرۂ ارض بجائے خود حیات کے بڑھنے اور تشکیل

پانے میں ایک اہم قوت رہا ہے۔

ان تمام پودوں اور جانوروں کی اقسام کا نقطہ آغاز ایک بھید تھا، راز تھا جس نے وکٹورین عہد کے تاریخ طبیعات کے ماہرین کے ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا، جو اپنی مہمات کے دوران کرۂ ارض پر موجود حیات کو سمجھنا اور ان کی اقسام مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن الجھی گتھی کا کوئی سرا انہیں نہ ملا پھر انڈونیشیا جہاں 1850ء کے عشرے میں تاریخ طبیعات کے ماہر الفرڈ رسل ویلیس کو ایک غیر معمولی بصیرت حاصل ہوگئی۔

انہوں نے غور کیا کہ جزائر بالی اور لومبوک کے درمیان واقع اس تنگ سی آبنائے میں ان جانوروں اور پودوں کی اقسام میں ایک ڈرامائی تبدیلی نظر آرہی تھی جن کی انہیں تلاش تھی۔ لومبوک میں وہ قسمیں موجود تھیں جو آسٹریلیا میں عام ہیں لیکن بالی میں پودوں اور جانوروں کی ان اقسام

میں غیر متوقع تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں جو پورے جنوب مشرقی ایشیا میں پائے جانے والی اقسام سے بہت مشابہ تھیں۔ یہ بات ویلیس کے لیے پریشان کن تھی کیونکہ دونوں جزائر کے درمیان صرف 15 میل کا فاصلہ تھا۔ اسے یہ شبہ تھا کہ جانوروں کی اقسام کا سبب کرۂ ارض کی سطح پر رونما ہونے والی وسیع تبدیلیاں ہیں۔ اسی شبہ کو وہ فرد کرنے کے لیے تحقیق کررہا تھا۔

وہ لکھتا ہے، اب ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ کبھی بالی اور لومبوک ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور تھے اور ان کے نباتات اور حیوانات ایک دوسرے سے یکسر جدا تھے، یہ تو محض برّاعظموں کا بہاؤ تھا جو انہیں ایک دوسرے کے اتنے قریب لے آیا۔

80 ملین سال پہلے آسٹریلیا کا خطہ جنوب میں اور بھی دور واقع تھا لیکن آسٹریلیا اور قریبی جزیروں کی مخصوص جنگلی حیات کی حامل پلیٹیں آہستہ آہستہ شمال کی طرف کھسکنے لگی تھیں۔ آخر کار وہ جنوب مشرقی ایشیا کے اتنے قریب آگئے کہ انڈونیشی جزیروں کے مجموعے کی شکل میں ڈھل گئے۔ یہ صرف اس کی ایک مثال ہے کہ زمین کی ارتقاء نے زندگی کی ارتقاء کو کیسے شکل عطا کی لیکن زمین ازل ہی سے حیات کا سرچشمہ رہی ہے۔ یہاں جنوبی افریقا کے کوہستانی علاقے کی چٹانیں ساڑھے تین بلین سال پرانی ہیں اور پورے کرۂ ارض میں سب سے بہتر حالت میں محفوظ ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں ماہرین ارضیات مارٹن ڈی وٹ نے حال ہی میں ایک

قسط 34

ناسور

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

وہ ایک سیدھا سادہ معصوم فطرت نوجوان تھا اور اس کے گرد سازشی ذہنیت والوں کا انبوہ تھا۔ ایسے سازشیوں کے لیے وہ ترنوالہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کے پھیلائے ہوئے تارعنکبوت میں پھنسا چلا جارہا تھا کہ اسے احساس ہوا کہ اب مفر کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اسے بھی ان کا جواب دینے کے لیے خم ٹھونکنا ضروری ہے اور پھر اس نے کمر کس لی۔ انہی کے لہجے میں انہیں جواب دینے کی کوشش کی۔

ایک ایسی طویل کہانی جس کا ہر باب ایک نئی کہانی ہے

سزا

جناب ایڈیٹر سرگزشت

سلام مسنون!

اُمید قوی ہے کہ بخیریت ہوں گے۔ ایک نئی جگ بیتی ارسال کررہی ہوں کہ گناہ کی سزا ملتی ہے، ضرور ملتی ہے اور انوکھے انداز سے بھی ملتی ہے۔ اسے بھی اس طرح سزاملی کہ وہ کانپ کر رہ گیا۔

راحت وفا راجپوت
(لاہور)

وہ کرپٹ ہی نہیں کرپٹ ترین تھا۔ رشوت، ظلم، بدکرداری کوئی ایسا گناہ نہیں تھا جس کا مرتکب وہ نہ ہوتا ہو۔ جس علاقے میں اس کی نوکری تھی وہاں کے سب لوگ اس کے نام اور کرتوتوں سے واقف تھے۔ جس تھانے میں وہ تعینات تھا وہاں اس کا راج چلتا تھا، افسران بالا کو اس کی حرکات کے بارے میں پتا چلتا رہتا تھا اور یہاں سے وہاں تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا لیکن اس کے بدلنے کے کوئی آثار نہ تھے پھر وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کی پوسٹنگ کسی دور افتادہ علاقے میں ہو جہاں کوئی بھی اس کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہ کرسکے اور اسے یہاں بھیج دیا گیا۔ یہ علاقہ انتہائی پسماندہ تھا۔

وہ شادی شدہ اور دو بیٹوں کا باپ تھا اس کے باوجود وہ ہر عورت کو ایک ہی نظر سے دیکھتا۔ کسی کی بیٹی کو باپ کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ وہ ہر عورت کو چاہے وہ کسی بھی عمر کی ہو غلیظ نگاہوں سے ہی دیکھتا تھا۔ اس کی سیدھی سادی بیوی اور بوڑھی ماں اس کی

پچھتاوا

جناب ایڈیٹر سرگزشت
السلام علیکم!
ایک اور سچ بیانی ارسال خدمت ہے۔ اسے ان تمام لڑکیوں کو ضرور پڑھنا چاہیے جو والدین کے فیصلے کو غلط سمجھتی ہیں اگر رانی نے ایسا قدم نہ اٹھایا ہوتا تو اس کی زندگی درد کی آماجگاہ نہ بنتی

ساگر تلوکر
(پپلاں، میانوالی)

''کہاں مرگئی تھی۔ یہ وقت ہے تیرے آنے کا حرام خور نکمی کہیں کی۔'' بیگم تاجور غصے سے چلا رہی تھیں۔ ملازمہ سر جھکائے چپ چاپ کھڑی تھی۔ ''تو بہری ہے۔ سن نہیں رہی۔ میں کیا کہہ رہی ہوں۔''

بیگم تاجور نے غصے سے اپنی ملازمہ سے پوچھا تو ملازمہ مردنی سی آواز میں بولی۔ ''جی میڈم صاحبہ سن رہی ہوں۔''

''چل دفع ہوجا میری نظروں کے سامنے سے۔'' میڈم نے کہا تو ملازمہ سر جھکائے چل دی۔

''سارے کام طریقے سے کرنا۔''

مظلوم

جناب مدیراعلیٰ سرگزشت

السلام علیکم!

یہ سچ بیانی میرے ایک دوست نے سنائی تھی۔ بہت دلچسپ لگی اسی وجہ سے اسے کہانی کے انداز میں لکھ دیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ قارئین کو بھی پسند آئے گی۔

خلیل جبار

(حیدرآباد)

جونہی اس پر میری نظر پڑی، میں ایک لمحے کو بری طرح سے چونکا، میں نے گزرے سات برسوں میں کسی سے شدید نفرت کی تھی تو وہ شبانہ تھی۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ کاش کسی دن میرا اور اس کا آمنا سامنا ہوجائے پھر میں اس کے ساتھ وہ کروں گا جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ میں جب بھی کراچی آتا میری بس یہی خواہش ہوتی تھی کہ کسی طرح شبانہ نظر آجائے۔ میں نے لوگوں کی زبانی یہی سنا تھا کہ اس نے کراچی کے نوجوان سے شادی کرلی ہے اور

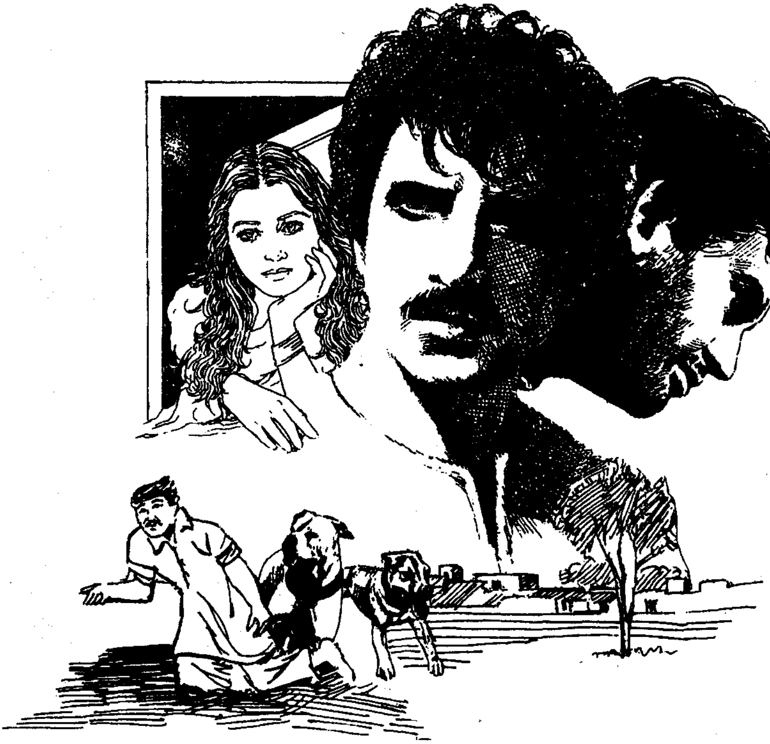

مکافات

محترم مدیر

السلام علیکم!

اُمید ہے کہ زیر نظر سچ بیانی آپ کو پسند آئے گی۔ لوگ ظلم ڈھاتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا ہر فعل میزانِ عدل میں تولا جائے گا۔ اللہ تعالی ظالم کی رسی کو ایک نہ ایک دن کھینچتا ضرور ہے۔

یاسین صدیق

(بورے والا)

شام ڈھل رہی تھی۔ آسمان پر بادل چھا گئے تھے۔ وقت سے پہلے ہی اندھیرا چھانے لگا تھا۔ لحہ بہ لحہ ہوا تیز ہو رہی تھی۔ ایسے میں اگر بارش ہو جاتی تو ہر طرف جل تھل ہو جاتا۔ بابا سراج دین جسے سب بابا کہتے تھے بدلتے موسم کا نظارہ کرنے اپنے گیراج سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ متوقع طوفان باد و باراں کے باعث سڑک تقریباً سنسان تھی۔ اس نے سڑک کے پار کالونی کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا، یوں جیسے سبھی لوگ گھروں میں بند

بے آواز لاٹھی

محترم مدیر

السلام علیکم!

انسان گڑھا کھودتے ہوئے یہ بھول جاتا ہے کہ اس کا شکار وہ خود بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا بھی ہے، یہی دنیا کی ریت ہے کہ خوب سودا نقد ہے، اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔

محمد احمد رضا انصاری

(کوٹ ادو)

اکرام کی بات سنتے ہی رحیم داد حیرت کی انتہا پر پہنچ گیا۔ وہ ہاتھ میں پکڑا نوالہ منہ میں ڈالنا بھی بھول گیا تھا۔ جبکہ اکرام اپنی بات باپ کے گوش گزار کر کے اب اس کے سامنے چند کاغذات رکھ رہا تھا۔ اکرام کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جیسے یہ اس کے لیے عام سی بات ہو۔ چند لمحوں بعد رحیم داد کو جیسے ہوش آیا۔ اس نے نوالہ واپس رکھا اور غصے سے اٹھ

اندھا اعتبار

ڈیئر ایڈیٹر
السلام علیکم!
یہ واقعہ زیادہ پرانا نہیں ہے لیکن یہ کھیل عرصہ دراز سے جاری ہے اگر آپ بغور دیکھیں تو ہمارے آس پاس ایسی وارداتیں تواتر سے ہوتی ہیں۔ یہ بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہے جسے میں نے زبان دی ہے۔
عاطر شاہین
(ملتان)

"بیٹا۔"
حامد شوکیس میں پڑے زیورات کے ڈبے ترتیب سے رکھنے میں مصروف تھا کہ اس کی سماعت سے ایک نسوانی مگر شفقت بھری آواز ٹکرائی تو اس نے بے اختیار چونک کر دیکھا۔ اس کے سامنے ایک بوڑھی خاتون موجود تھی جس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس نے معمولی سا لباس

میری جان

محترم مدیراعلی سرگزشت
سلام مسنون!
ایک الگ انداز کی سچ بیانی ارسال کررہا ہوں۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ اس واقعہ کو اخبارات نے خوب اچھالا تھا۔میں اسے کہانی کا روپ دے کر بھیج رہا ہوں کیونکہ اختتام نے مجھے چونکا دیا تھا۔
محمد سلیم اختر
(راولپنڈی)

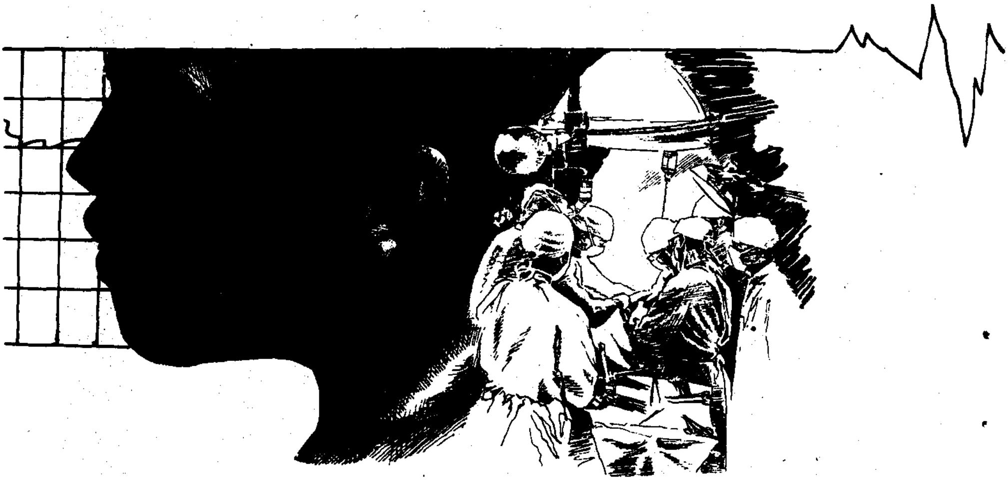

میرے دونوں طرف سفید پوش فرشتے کھڑے تھے اور میں پوری طرح ہوش وحواس میں تھا۔ان فرشتوں نے جو انسانوں کی شکل میں تھے میری آنکھ کے اطراف والے اعصاب کو بے حس کررکھا تھا۔ وہ قرینہ کی پیوند کاری کررہے تھے۔ مجھے ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ڈاکٹر ہاشم کو کوئی آلہ یا اوزار مانگنا ہوتا تو وہ دھیرے سے کچھ کہتا اور پھر مجھے اپنے اوپر جھکتا ہوا محسوس ہوتا۔اس وقت میں صرف محسوس کرنے یا سننے ہی کے قابل تھا کیونکہ چھ ماہ قبل اچانک میری

میں کاؤنٹر پر تھا۔

اگرچہ چاروں طرف رش لگا ہوا تھا۔ لڑکے لڑکیاں مرد عورتیں گھوم پھر رہے تھے لیکن میرے پاس اتنی فرصت کہاں تھی کہ میں ان کی طرف دیکھ بھی سکتا کیونکہ میری ڈیوٹی ہی ایسی تھی۔

میں کاؤنٹر پر ہوا کرتا اور کسٹمرز کے بل بنا کر دیا کرتا۔

ویسے تو یہ بہت ذمے داری کا کام تھا لیکن خدا بھلا کرے کمپیوٹر بنانے والوں کا کہ اس مشین نے بہت آسانی

تقدیر کا لکھا

محترم و مکرم مدیر

سلامِ شوق!

ہمارے اردگرد ایسے ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ واقعہ خود میرا ہے جسے میں نے صرف اس لیے لکھا ہے کہ لوگ ایسے عیار و مکار افراد سے ہوشیار رہیں۔ میں تو اس لومڑ نما پیر اور اُلو جیسے بے وقوف اس کے مرید سے بچ گیا۔ کہیں اور کوئی ان جیسے افراد کے جھانسے میں نہ آجائے۔ میری قسمت اچھی تھی کہ ان کے جال سے بھی بچ نکلا اور اپنی زندگی بھی سنور گئی۔

گلزار حسین

(کراچی)

کالی زبان

محترم مدیراعلیٰ
السلام علیکم!
ایک اور نئی سرگزشت کے ساتھ حاضر ہوں۔ یہ سرگزشت دو بہنوں اور ایک محبوب کی ہے۔ اس محبوب کی جو اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔ خود وہ بھی اسے چاہتی تھی پھر بھی اس نے ایک عجیب فیصلہ کیا، ایسا فیصلہ جو ہر ایک کے لیے حیران کن تھا، وہ کالی زبان ہو کر بھی خوشی کا پرتو ثابت ہوئی۔

کاوش صدیقی
(لاہور)

دن کے گیارہ بج رہے تھے جب کالی زبان اپنی جان اپنا جگر سنبھالتے ہوئے ناشتے کی میز پر آئی۔
اماں جی نے دیکھتے ہی کہا۔ ”اٹھ گئیں شہزادی۔ ناشتا پیش کیا جائے؟“
کالی زبان نے بہت آہستگی سے میز پر پڑا ٹشو پیپر کا ڈبا اپنی طرف کھسکایا۔ اس میں سے دو ٹشو نکالے، میز پر رکھے اور ان پر اپنا جگر اپنی جان یعنی موبائل فون نہایت اطمینان سے رکھا اور اماں جی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”جب روز ہی